قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (آل عمران 74)

روزنامہ

الفضل لندن

Online Edition

مدیر: ابو سعید

جمعرات 01 اکتوبر 2020ء | 14 صفر 1442 ہجری قمری | جلد: 2 | شمارہ: 232

ارشادِ باری تعالیٰ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ۗ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ

(لقمان: 13)

اور یقیناً ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی (یہ کہتے ہوئے) کہ اللہ کا شکر ادا کرے تو وہ محض اپنے نفس کی بھلائی کے لئے ہی شکر ادا کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو یقیناً اللہ غنی ہے (اور) بہت صاحب تعریف ہے۔

فرمانِ خلیفہ وقت

حضرت امیرالمؤمنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف نعمتوں کے ملنے پر ہی شکر گزاری نہیں فرماتے تھے بلکہ کسی مشکل سے بچنے پر بھی اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہوتے تھے۔ حتی کہ روزمرّہ کے کاموں میں، چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی آپ کی سیرت میں شکر گزاری کی انتہا نظر آتی، اور اس کے علاوہ بھی شکر گزاری ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تھی۔ پس یہ وہ حقیقی شکر گزاری ہے جس کے لئے ہمیں کوشش کرنی چاہئے اور یہ ایسی شکر گزاری ہے جس پر اللہ تعالیٰ مزید فضل فرماتا ہے۔ اپنے انعامات اور احسانات کئی گنا بڑھا دیتا ہے۔ پس یہ شکر گزاری انسان کے اپنے فائدہ کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ہماری شکر گزاری کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ ہماری شکر گزاری کا حاجتمند نہیں۔ اللہ تعالیٰ ایک جگہ فرماتا ہے۔ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ (لقمان: 13) اور جو بھی شکر کرتا ہے، اُس کے شکر کا فائدہ اُسی کی جان کو پہنچتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے وہ یاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ سب قسم کے شکروں سے بے نیاز ہے۔

پس ایک احمدی اس قسم کا شکر گزار ہونا چاہئے۔

پھر شکر گزاری کے بھی کئی طریقے ہیں۔ اُن طریقوں کو ہمیشہ روزانہ اپنی زندگی میں تلاش کرتا رہے۔ ایک احمدی جو ہے، حقیقی مومن جو ہے وہ شکر گزاری کے ان طریقوں کو تلاش کرتا ہے تو پھر دل میں بھی شکر گزاری کرتا ہے۔ پھر شکر گزاری زبان سے شکریہ ادا کر کے بھی کی جاتی ہے۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے یا کسی دوسرے کی شکر گزاری بھی کرتا ہے تو زبان سے شکر گزاری ہے۔ اور پھر اپنے عمل اور حرکت وسکون سے بھی شکر گزاری کی جاتی ہے۔ گویا جب انسان شکر گزاری کرنا چاہے تو اُس کے تمام اعضاء بھی اس شکر گزاری کا اظہار کرتے ہیں یا انسان کے تمام جسم پر اُس شکر گزاری کا اظہار ہونا چاہئے۔ اور اللہ تعالیٰ جب بندوں کا شکر کرتا ہے، یہاں شکر گزاری کا جو لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہوا ہے، تو یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری، انسان پر انعامات اور

بقیہ صفحہ 3 پر

اس شمارہ میں

موت (منظوم)
تعارف سورۃ القصص (اٹھائیسویں سورۃ)
ہستی باری تعالیٰ (قسط 5)
حضرت محمد ﷺ کی عائلی زندگی مبارکہ

فرمانِ رسول ﷺ

سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ فرماتے ہیں:

مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ الْقَلِيْلَ لَمْ يَشْكُرِ الْكَثِيْرَ وَمَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ

ترجمہ۔ جو تھوڑے پر شکر نہیں کرتا وہ زیادہ پر بھی شکر نہیں کرتا۔ جو بندوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔

(مسند احمد، کتاب اول مسند الکوفیین، حدیث النعمان بن بشیر)

حضرت سلطان القلمؑ کے رشحات قلم

شکر یہی ہے کہ سچے دل سے ان اعمال صالحہ کو بجالاؤ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

’’یہ اللہ تعالیٰ کا کمال فضل ہے کہ اس نے کامل اور مکمل عقائد صحیحہ کی راہ ہم کو اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے بدوں مشقت اور محنت کے دکھائی ہے۔ وہ راہ جو آپ لوگوں کو اس زمانے میں دکھائی گئی ہے بہت سے عالم ابھی تک اس سے محروم ہیں۔ پس خدا تعالیٰ کے اس فضل اور نعمت کا شکر کرو اور وہ شکر یہی ہے کہ سچے دل سے ان اعمال صالحہ کو بجالاؤ جو عقائد صحیحہ کے بعد دوسرے حصہ میں آتے ہیں اور اپنی عملی حالت سے مدد لے کر دعا مانگو کہ وہ ان عقائد صحیحہ پر ثابت قدم رکھے اور اعمال صالحہ کی توفیق بخشے۔‘‘

(ملفوظات جلد اول صفحہ 95-94 جدید ایڈیشن)

میری آنکھ نے تجھ سا کوئی محسن نہیں دیکھا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے عربی حمدیہ قصیدہ کے چند اشعار کا اردو ترجمہ حسب ذیل ہے:

’’اے وہ ذات جس نے اپنی نعمتوں سے اپنی مخلوق کا احاطہ کیا ہوا ہے ہم تیری تعریف کرتے ہیں اور تعریف کی طاقت نہیں ہے۔ مجھ پر رحمت اور شفقت کی نظر کر، اے میری پناہ! اے حزن وکرب کو دور فرمانے والے! میں تو مرجاؤں گا لیکن میری محبت نہیں مرے گی۔ (قبر کی) مٹی میں بھی تیرے ذکر کے ساتھ ہی میری آواز جانی جائے گی۔ میری آنکھ نے تجھ سا کوئی محسن نہیں دیکھا۔ اے احسانات میں وسعت پیدا کرنے والے اور اے نعمتوں والے! جب میں نے تیرے لطف کا کمال اور بخششیں دیکھیں تو مصیبت دور ہوگئی اور (اب) میں اپنی مصیبت کو محسوس ہی نہیں کرتا۔‘‘ (منن الرحمٰن، روحانی خزائن جلد نمبر 9 صفحہ 169)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

’’تمام محامد جو عالم میں موجود ہیں اور مصنوعات میں پائی جاتی ہیں۔ وہ حقیقت میں خدا کی ہی تعریفیں ہیں اور اسی کی طرف راجع ہیں کیونکہ جو خوبی مصنوع میں ہوتی ہے۔ وہ حقیقت میں صانع کی ہی خوبی ہے یعنی آفتاب دنیا کو روشن نہیں کرتا حقیقت میں خدا ہی روشن کرتا ہے اور چاند رات کی تاریکی نہیں اٹھاتا حقیقت میں خدا ہی اُٹھاتا ہے اور بادل پانی نہیں برساتا حقیقت میں خدا ہی برساتا ہے۔ اسی طرح جو ہماری آنکھیں دیکھتی ہیں وہ حقیقت میں خدا کی طرف سے ہی بینائی ہے اور جو کان سنتے ہیں وہ حقیقت میں خدا کی طرف سے ہی شنوائی ہے اور جو عقل دریافت کرتی ہے وہ حقیقت میں خدا کی طرف سے ہی دریافت ہے اور جو کچھ آسمان کے اور زمین کے عناصر اوصاف جمیلہ دکھا رہے ہیں اور ایک خوبصورتی اور تروتازگی جو مشہود ہو رہی ہے حقیقت میں وہ اسی صانع کی صفت ہے جس نے کمال اپنی صفت کاملہ سے ان چیزوں کو بنایا ہے اور پھر بنانے پر ہی انحصار نہیں کیا بلکہ ہمیشہ کے لئے اس کے ساتھ ایک رحمت شامل رکھی ہے، جس رحمت سے اس کا بقا اور وجود ہے۔ اور پھر صرف اس پر ہی اختصار نہیں کیا بلکہ ایک چیز کو اپنے کمال اعلیٰ تک پہنچایا ہے۔ جس سے قدر و قیمت اس شے کی کھل جاتی ہے پس حقیقت میں محسن اور منعم بھی وہی ہے اور جامع تمام خوبیوں کا بھی وہی ہے۔ اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔‘‘ (الحکم 24 جون 1904ء صفحہ 15)

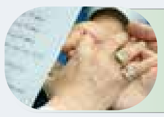

دربارِ خلافت

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:۔

اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں ایک جگہ فرماتا ہے۔ کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُلۡهِکُمۡ اَمۡوَالُکُمۡ وَ لَاۤ اَوۡلَادُکُمۡ عَنۡ ذِکۡرِ اللّٰهِ (المنافقون: 10) کہ اے مومنو! تمہیں تمہارے مال اور اولادیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں۔ پس جب بھی اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کوئی دوسری چیز اہمیت حاصل کرے گی تو اللہ تعالیٰ کے ذکر، اس کی یاد، اس کی عبادت سے غافل کرے گی اور یہی مخفی شرک ہے کہ خدا تعالیٰ کے مقابلے پر دوسری چیزوں کو ترجیح دی جارہی ہو۔ یہ غفلت معمولی غفلت نہیں ہے بلکہ ہلاکت کی طرف لے جانے والی غفلت ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ نہ سمجھنا کہ ہمارا عہدِ بیعت کر لینا، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت میں شامل ہو جانا کافی ہے بلکہ ہر لحہ تمہیں خدا تعالیٰ کی یاد سے اپنے دل و دماغ کو تازہ رکھنے کی ضرورت ہے تا کہ ہر قسم کے شرک سے انتہائی دوری پیدا ہو جائے۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک احمدی سے توقع رکھی ہے کہ ہر قسم کے جھوٹ، زنا، بدنظری، لڑائی جھگڑا، ظلم، خیانت، فساد، بغاوت سے ہر صورت میں بچنا ہے۔ ہر وقت اپنے جائزے لینے کی ضرورت ہے کہ میں ان برائیوں سے بچ رہا ہوں؟ بعض لوگ ان باتوں کو چھوٹی اور معمولی چیز سمجھتے ہیں۔ اپنے کاروبار میں، اپنے معاملات میں جھوٹ بول جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک جھوٹ بھی معمولی چیز ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی شرک کے برابر ٹھہرایا ہے۔ زنا ہے، بدنظری وغیرہ ہے۔ یہ برائیاں آج کل میڈیا کی وجہ سے عام ہو گئی ہیں۔ گھروں میں ٹیلی ویژن کے ذریعہ یا انٹرنیٹ کے ذریعہ سے ایسی ایسی بیہودہ اور لچر فلمیں اور پروگرام وغیرہ دکھائے جاتے ہیں جو انسان کو برائیوں میں دھکیل دیتے ہیں۔ خاص طور پر نوجوان لڑکے لڑکیاں بعض احمدی گھرانوں میں بھی اس برائی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ پہلے تو روشن خیالی کے نام پر ان فلموں کو دیکھا جاتا ہے۔ پھر بعض بدقسمت گھر عملاً ان برائیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ تو یہ جو زنا ہے یہ دماغ کا اور آنکھ کا زنا بھی ہوتا ہے اور پھر یہی زنا بڑھتے بڑھتے حقیقی برائیوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ ماں باپ شروع میں احتیاط نہیں کرتے اور جب پانی سر سے اونچا ہو جاتا ہے تو پھر افسوس کرتے اور روتے ہیں کہ ہماری نسل بگڑ گئی، ہماری اولادیں برباد ہو گئی ہیں۔ اس لئے چاہئے کہ پہلے نظر رکھیں۔ بیہودہ پروگراموں کے دوران بچوں کو ٹی وی کے سامنے نہ بیٹھنے دیں اور انٹرنیٹ پر بھی نظر رکھیں۔ بعض ماں باپ زیادہ پڑھے لکھے نہیں ہیں۔ جماعتی نظام کا کام ہے کہ ان کو اس بارے میں آگاہ کریں۔ اسی طرح انصار اللہ ہے، لجنہ ہے، خدام الاحمدیہ ہے یہ تنظیمیں اپنی اپنی تنظیموں کے ماتحت بھی ان برائیوں سے بچنے کے پروگرام بنائیں۔ نوجوان لڑکوں لڑکیوں کو جماعتی نظام سے اس طرح جوڑیں، اپنی تنظیموں کے ساتھ اس طرح جوڑیں کہ دین ان کو ہمیشہ مقدم رہے اور اس بارے میں ماں باپ کو بھی جماعتی نظام سے یا ذیلی تنظیموں سے بھرپور تعاون کرنا چاہئے۔ اگر ماں باپ کسی قسم کی کمزوری دکھائیں گے تو اپنے بچوں کی ہلاکت کا سامان کر رہے ہوں گے۔ خاص طور پر گھر کے جو نگران ہیں یعنی مرد ان کا سب سے زیادہ یہ فرض ہے اور ذمہ داری ہے کہ اپنی اولادوں کو اس آگ میں گرنے سے بچائیں جس آگ کے عذاب سے خدا تعالیٰ نے آپ کو یا آپ کے بڑوں کو بچایا ہے اور اپنے فضل سے زمانے کے امام کو ماننے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ دنیا خاص طور پر دوسرے مسلمان شدید بے چینی میں مبتلا ہیں کہ ان کو کوئی ایسی لیڈر شپ ملے جو ان کی رہنمائی کرے۔ لیکن آپ پر اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا ہوا ہے کہ زمانے کے امام کی بیعت میں آ کر رہنمائی مل رہی ہے۔ خلافت کے ساتھ وابستہ رہنے سے نیکیوں پر قائم رہنے کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے یہ سب فضل تقاضا کرتے ہیں کہ توجہ دلانے پر ہر برائی سے بچنے کا عہد کرتے ہوئے لبیک کہتے ہوئے آگے بڑھیں۔ نیکیوں پر خود بھی قدم ماریں اور اولاد کو بھی اس پر چلنے کی تلقین کریں اور اس کے لئے کوشش کریں۔ خدا تعالیٰ کے اس ارشاد اور انذار کو ہمیشہ سامنے رکھیں کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قُوۡۤا اَنۡفُسَکُمۡ وَ اَهۡلِیۡکُمۡ نَارًا (التحریم: 7) اے مومنو! اپنے آپ کو بھی اور اپنی اولاد کو بھی آگ سے بچاؤ۔ آج کل تو دنیا کی چمک دمک اور لہو و لعب، مختلف قسم کی برائیاں جو مغربی معاشرے میں برائیاں نہیں کہلاتیں لیکن اسلامی تعلیم میں وہ برائیاں ہیں، اخلاق سے دور لے جانے والی ہیں، منہ پھاڑے کھڑی ہیں جو ہر ایک کو اپنی لپیٹ میں لینے کی کوشش کرتی ہیں۔

(خطبہ جمعہ 23/ اپریل 2010ء)

(الفضل انٹرنیشنل جلد 17 شمارہ 20 مورخہ 14 مئی تا 20 مئی 2010 صفحہ 5 تا 8)

موت

ہر ایک کو دکھاتی ہے اپنی بہار موت
ہر ایک ہی کے ہوتی ہے سر پر سوار موت

پنجے سے اُس کے چھوٹ کر جائے کوئی کہاں
پھیلائے جال بیٹھی ہے ہر سُو ہزار موت

جو مرمٹے ہیں مر کے بھی زندہ رہیں گے وہ
جتنا نکالنا ہو نکالے بخار موت

تیغِ نگاہِ یار کا کشتہ ہوں مَیں، جبھی
ڈرتا نہیں کبھی بھی ڈرائے ہزار موت

میری دکھوں میں شدتِ طبع کو دیکھ کر
ہوتی ہے دل ہی دل میں بہت شرمسار موت

مرنا تو وصلِ یار ہے یہ جانتا ہوں میں
مجھ کو بھلا ڈراتی ہے کیوں بار بار موت

مسلم کو وصلِ یار ہے، کافر کو وصلِ نار
اخبارِ آخرت کا ہے نامہ نگار موت

خواہش اگر کوئی ہے تو احمد کی ہے یہی
اسلام پر ہی دے مجھے پروردگار موت

(کلامِ بشیر ایڈیشن 1963 صفحہ 5۔6)

تعارف سورۃ القصص (اٹھائیسویں سورۃ)

(مکی سورۃ، تسمیہ سمیت اس سورۃ کی 89 آیات ہیں)

ترجمہ از انگریزی ترجمہ قرآن (حضرت ملک غلام فرید صاحب) ایڈیشن 2003

مترجم: وقار احمد بھٹی

وقت نزول اور سیاق و سباق

ایک متفقہ رائے کے مطابق یہ سورۃ مکہ میں نازل ہوئی۔ حضرت عمر بن محمدؓ کے مطابق یہ سورۃ ہجرت مدینہ کے دوران نازل ہوئی تھی۔ جبکہ آپ ﷺ مدینہ جارہے تھے۔ جیسا کہ آیت 86 میں فرمایا گیا ہے کہ 'یقیناً وہ جس نے تجھ پر قرآن کو فرض کیا ہے ضرور تجھے ایک واپس آنے کی جگہ کی طرف واپس لے آئے گا۔ تو کہہ دے میرا رب اسے زیادہ جانتا ہے جو ہدایت لے کر آتا ہے اور جو کھلی کھلی گمراہی میں ہے'۔ جو بڑی وضاحت سے ظاہر کرتی ہے کہ آنحضرت ﷺ ابھی مکہ میں ہی تھے جب انہیں بتایا گیا کہ آپ ﷺ کو مکہ سے نکلنا پڑے گا اور فاتحانہ شان کے ساتھ واپس مکہ میں داخل ہوں گے۔ سابقہ سورۃ اس آیت پر ختم ہوئی تھی کہ جو کوئی بھی ہدایت کی پیروی کرے وہ اپنی ذات کی بہتری کے لئے ہی پیروی کرتا ہے اور جو گمراہی میں مبتلا ہو تو کہہ دے کہ میں صرف ایک ہوشیار کرنے والا ہوں، جس کا مطلب ہے کہ قرآنی تعلیمات کی تبلیغ میں کبھی بھی طاقت کا استعمال کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ قرآن کریم کے اس دعویٰ کی تائید میں یہ موجودہ سورۃ (القصص) نازل ہوئی ہے۔

مضامین کا خلاصہ

موجودہ سورۃ ان تین سورتوں میں تیسری اور آخری سورۃ ہے جو 'طسم' کے گروپ سے تعلق رکھتی ہے۔ یہ تینوں سورتیں ایک ہی جیسے حروف مقطعات سے شروع ہوتی ہیں۔ اسی لئے ان کے مضامین میں غیر معمولی مشابہت پائی جاتی ہے۔ یہ سب سورتیں قرآنی وحی کے نزول کے مضمون کی اہمیت سے شروع ہوتی ہیں اور اسی مضمون پر ختم ہوتی ہیں۔ 26 ویں سورۃ کا ایک بڑا حصہ حضرت موسیٰ کی فرعون کو تبلیغ کرنے کے بارے میں ہے۔ 27 ویں سورۃ میں حضرت موسیٰ کے وادئ طویٰ میں الٰہی شان و شوکت کے نظارے اور روحانی تجربات کا ذکر کیا گیا ہے۔ موجودہ سورۃ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی تفصیل بیان کی گئی ہے جو کسی دوسری سورۃ میں یوں بیان نہیں ہوئی جیسے کہ آپ کا بچپن کی عمر میں سمندر سے معجزانہ طور پر زندہ نکالا جانا، آپ کا بچپن، جوانی، ہجرت اور پھر نبوت۔ اس مضمون کی اہمیت اس لئے ہے کہ آپ ﷺ مثیل موسیٰ ہیں لہٰذا آپ ﷺ کو بھی ایسے ہی تجربات سے گزرنا پڑے گا اگرچہ کچھ مختلف حالات کے ساتھ، جو ایک لازمی امر ہے۔

اس سورۃ (القصص) کا آغاز بھی اسرائیلیوں کی فرعون کے مقابل پر قابل رحم حالت کے ذکر سے کیا گیا ہے کہ کس طرح اپنے بے رحم استحصال اور ظلم سے اس نے بنی اسرائیلیوں کی مردانہ صفات جیسے جرات اور دلیری کا قتل کیا اور جب ان کی تذلیل اپنی انتہا کو پہنچ گئی تو خدا نے حضرت موسیٰ کو مبعوث کیا اور ان بنی اسرائیلیوں کی آنکھوں کے سامنے فرعون اور اس کے لشکر کو سمندر میں غرق کر کے ان کی نجات کے سامان پیدا کئے۔ حضرت موسیٰ کے حالات زندگی کے تذکرہ کے بعد اس سورۃ میں آنحضرت ﷺ کے بارہ میں بائیبل میں مذکور پیشگوئیوں کا ذکر کیا گیا ہے اور قریش کو بتایا گیا ہے کہ اگر وہ آپ ﷺ کو قبول کر لیں گے تو وہ ان تمام روحانی اور مادی نعمتوں کے وارث ہوں گے جو اس نئے عقیدہ (اسلام) کا مرکز ہونے کی وجہ سے مکہ کے مقدر میں لکھی جا چکی ہیں۔ لیکن اگر انہوں نے انکار کیا تو وہ خدا کے غضب کو بھڑکانے والے ہوں گے۔

پھر اس سورۃ میں بتایا گیا ہے کہ جب کفار مستقل بنیادوں پر سچائی کو جھٹلاتے ہیں اور سزا کے مستحق بن جاتے ہیں اور مورد غضب ہوتے ہیں تو وہ اپنے سرداروں کو برا بھلا کہنے لگتے ہیں کہ ان کی وجہ سے وہ گمراہ ہوئے اور ان کی بربادی کی وجہ بھی ہیں۔ ان کے مقابل پر ان کے سردار ان سے لاتعلقی کا اظہار کرتے ہیں بلکہ ان کی اندھا دھند تقلید کی وجہ سے ان پر لعنت کریں گے۔ اس سورۃ میں بتایا گیا ہے کہ ان کے انکار کی بنیادی وجہ دنیاوی مال و متاع کی کثرت اور اپنے تئیں محفوظ سمجھنا ہے۔ مالدار لوگ خدا کے نبیوں کا استہزاء کرتے ہیں اور ان سے ظلم و تعدی سے پیش آتے ہیں اور تاریخی اوراق میں محفوظ اس سبق کو بھول جاتے ہیں کہ کبھی حق کی مخالفت کو بغیر سزا کے نہیں چھوڑا گیا اور حق کا انکار کرنے والوں کا مقدر بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوا۔

اس سورۃ کے اختتام پر ایک عظیم پیشگوئی کا حوالہ دیا گیا ہے جو حضرت موسیٰ کے مصر سے مدین کے سفر کے دوران کی گئی تھی کہ آپ دس سال تک حالت سفر میں رہے پھر مصر واپسی ہوئی اور بنی اسرائیلیوں کو فرعون سے آزاد کروایا۔ اس پیشگوئی کا گہرا تعلق آنحضرت ﷺ سے ہے کہ آپؐ بھی اپنے آبائی شہر مکہ کو چھوڑ کر چلے جائیں گے اور دس سال تک ایک اجنبی جگہ میں رہیں گے اور پھر اپنے عقیدہ کے مرکز (مکہ) میں فاتحانہ شان سے واپس لوٹیں گے اور اسلام کو مضبوط بنیادوں پر مستحکم کر دیں گے۔

اس سورۃ کی آخری آیات میں اس کے مضامین کا خلاصہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو بتایا گیا ہے کہ آپ کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ آپ پر خدا کی وحی کا نزول ہوگا مگر اب چونکہ اس عظیم مقصد کے لئے آپ کو خدا نے چن لیا ہے تو آپ کو جملہ انسانیت کو خدا کی طرف بلانا ہے اور خدا پر توکل رکھنا چاہیئے اور حوصلہ نہیں ہارنا چاہیئے اور کامیابی کے لئے بھرپور کوشش کرنی چاہیئے جیسا کہ آپ سچائی کے بلند مینار پر فائز ہیں۔

بقیہ: فرمان خلیفہ وقت...... از صفحہ 1

احسانات ہیں۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری جب انسان کرتا ہے تو ان باتوں کا اُسے خیال رکھنا چاہئے کہ انتہائی عاجزی دکھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور جھکا جائے۔ دوسرے اللہ تعالیٰ سے پیار کا اظہار کرنا اور اُس کے پیار کو حاصل کرنے کے لئے کوشش کرنا، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے فضلوں اور احسانوں کو علم میں لانا۔ ہر فضل جو انسان پر ہوتا ہے اُس کو یہ سمجھنا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ یہ علم ہونا چاہئے کہ ہر نعمت جو مجھے ملی ہے وہ اللہ کے فضلوں کی وجہ سے ملی ہے۔ یہ احساس پیدا ہونا چاہئے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری ہے۔ پھر اُس کے انعامات اور احسانات کا منہ سے اقرار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد کرنا، اپنی زبان کو اللہ تعالیٰ کی حمد سے، اُس کے ذکر سے تر رکھنا۔ پھر یہ بھی کہ اُس کی مہیا کردہ نعمتوں کو اس رنگ میں استعمال کرنا جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے حاصل کرنے والی ہوں، جن کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔ ان باتوں کے کرنے کے نتیجے میں پھر ایک شکر گزاری حقیقی رنگ میں شکر گزاری بنتی ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ اور جیسا کہ مَیں نے کہا اس کے نتیجے میں پھر اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا یہ ہے کہ وہ اپنے ایسے شکر گزار بندوں کو مزید انعامات اور احسانات سے نوازتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم اس طرح شکر گزار ہو گے تو لَاَزِیۡدَنَّکُمۡ مَیں تمہیں اَور دوں گا، اس کو حاصل کرنے والے بنو گے۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ 13 جولائی 2012ء)

آج کی دعا

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں:۔ اَفۡضَلُ الذِّکۡرِ: لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، وَاَفۡضَلُ الدُّعَاءِ: اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ

(ترمذی کتاب الدعوات)

ترجمہ: ''بہترین ذکر لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے یعنی اس بات کا اقرار کرنا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بہترین دعا اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ ہے یعنی سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں''۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

ذکرِ الٰہی کرنے والے اور ذکرِ الٰہی نہ کرنے والے کی مثال زندہ اور مردہ کی طرح ہے یعنی جو ذکرِ الٰہی کرتا ہے وہ زندہ ہے اور جو نہیں کرتا وہ مردہ ہے۔

(بخاری کتاب الدعوات)

حضرت مسیحِ موعودؑ دعا کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''اگر تم چاہتے ہو کہ خیریت سے رہو اور تمہارے گھروں میں امن رہے تو مناسب ہے کہ دعائیں بہت کرو اور اپنے گھروں کو دعاؤں سے پُر کرو جس گھر میں ہمیشہ دعا ہوتی ہے خدا تعالیٰ اسے برباد نہیں کیا کرتا''۔

(ملفوظات جلد 7 صفحہ 309)

مرسلہ: قدسیہ محمود سردار

تبرکات حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ

ہستی باری تعالیٰ
(قسط نمبر 5)

ساتویں دلیل

ساتویں دلیل اللہ تعالیٰ نے اپنی ہستی کے منوانے کے لئے قرآن مجید میں یہ بیان فرمائی ہے کہ میں یہ کتاب یعنی قرآن مجید نازل کرتا ہوں اور یہ کتاب کیا بلحاظ فصاحت و بلاغت اور کیا بلحاظ اپنی معنوی خوبیوں کے ایسی بےمثل ہے کہ اس کی نظیر کوئی نہیں بنا سکتا اور اگر کسی میں طاقت ہے تو وہ آزما دیکھے۔ پھر زور دے کر فرمایا کہ اگر دنیا کے جن و اِنس اگلے اور پچھلے عالم اور جاہل مل کر بھی اس پایہ کی کتاب بنانا چاہیں تو بھی نہیں بنا سکتے۔ اور یہ بات دلیل ہے اس امر کی کہ یہ کتاب کسی انسان کی نہیں۔ کیونکہ اگر کسی انسان کی تصنیف ہوتی تو اور بہت سے انسان ایسی تصنیف کر سکتے لیکن جب کوئی شخص خواہ کتنا ہی بڑا عالم ہو اس کی مثل لانے پر قادر نہیں۔ اس لئے نتیجہ یہ نکلا کہ یہ انسانی فعل نہیں بلکہ کسی وراء الوراء ہستی کا ہے جو تمام انسانوں سے زیادہ قادر اور علیم و حکیم ہے اور اسی کو دوسرے لفظوں میں مسلمان خدا کہتے ہیں۔غرض قرآن کا بےمثل ہونا اللہ تعالیٰ کی ہستی کا ایک بڑا زبردست ثبوت ہے۔

آٹھویں دلیل

دنیا میں جس قدر چیزیں ہم کو نظر آتی ہیں اصل میں ان کی ذات ہم نہیں دیکھ سکتے بلکہ صفات کو دیکھتے ہیں۔مثلاً ہماری آنکھوں کے سامنے ایک درخت ہے اور ہم اسے دیکھ رہے ہیں تو اس کی ذات کو نہیں دیکھتے بلکہ کچھ صفتوں کو دیکھ رہے ہیں۔مثلاً اس کا طول وعرض نظر آتا ہے اور طول و عرض صفات میں سے ہے نہ کہ ذات سے۔ پھر اس کا رنگ دیکھتے ہیں اور وہ صفت ہے نہ کہ ذات۔ پھر ہاتھ لگا کر اس کی سختی نرمی معلوم کرتے ہیں تو وہ بھی ذات نہیں بلکہ صفات ہیں۔ پھر اس کا میوہ کھاتے ہیں تو اس کی ذات نہیں معلوم ہوتی۔ بلکہ مزا محسوس کرتے ہیں۔ اور یہ بات صاف ظاہر ہے کہ مزیدار ہونا میوہ کی ایک صفت ہے نہ کہ ذات۔غرض جمادات، نباتات، حیوانات ان تمام قسموں میں سے ہم جب کوئی چیز دیکھتے ہیں تو اس کی ذات ہمیں نظر نہیں آتی بلکہ صفات ہی صفات دیکھتے ہیں۔طول عرض، رنگ، سختی نرمی، مزہ وغیرہ یہی باتیں ہم کو نظر آتی ہیں۔ اس لئے یہ مطالبہ کرنا کہ خدا کی ذات ہمیں دکھا دو ایک بےہودہ مطالبہ ہے۔ کیونکہ ذات تو کسی چیز کی بھی نظر نہیں آتی۔سب چیزوں کو ان کی صفات کے ذریعہ ہم پہچان سکتے ہیں۔ اسی طرح ہم بھی خدا تعالیٰ کو اس کی صفات دیکھ کر تسلیم کرتے ہیں۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ اس دنیا میں رحمانیت ہو رہی ہے اور بہت سی چیزیں ہمیں بغیر ہماری محنت کے بے مانگے کے مل رہی ہیں۔مثلاً سورج، چاند، ہوا، پانی وغیرہ یہ سب کچھ نعمتیں ہمیں بے محنت کے ملی ہیں اور اسی کا نام رحمانیت ہے۔سو جب ہم رحمانیت کی صفت دنیا میں دیکھتے ہیں تو اس کا موصوف بھی ماننا پڑے گا۔ کیونکہ کوئی صفت بغیر موصوف کے نہیں ہوتی۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ربوبیت ہو رہی ہے۔ دیکھو جب ہم ماں کے پیٹ سے نکلے اس وقت ہمارے لئے دودھ مہیا کیا گیا۔ اور ہم نے ایک دو سال تک بڑے آرام سے زندگی بسر کی۔ پھر جبکہ ماں کی چھاتیوں میں دودھ نہ رہا اور اناج وغیرہ کے کھانے کی ضرورت پڑی تو ہمیں دانت دیئے گئے تا کہ سخت چیزیں ہم چبا سکیں۔سو جب ہم دنیا میں صفت ربوبیت کا مشاہدہ کر رہے ہیں تو اس کے موصوف کا کیوں انکار کریں۔

پھر صفت علیم کو دیکھو۔ اس کا بھی قانون قدرت سے پتہ لگتا ہے۔ مثلاً جب ایک مقام پر سورج بنایا تو اس بنانے والے کو باقی جگہوں کی بھی اطلاع تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس سورج سے اتنے فاصلہ پر انسانی آنکھ ہے نہ تو سورج کو زیادہ قریب کیا کہ انسان کی آنکھیں چندھیا جاویں اور وہ کچھ دیکھ نہ سکے۔ اور نہ اس قدر دور کہ وہ اندھا ہو جاوے اور کھیتیاں بھی نہ بچیں۔غرض انسانی آنکھ اور سورج دونوں کے تعلقات سے پتہ چلتا ہے کہ دونوں کا بنانے والا ایک ہے اور سورج بناتے وقت اسے آنکھ کا اور آنکھ بناتے وقت اسے سورج کا علم تھا۔ پھر جب ہمارے کان بنائے۔تو ادھر خوش آوازی بھی پیدا کی۔ اور جب ذائقہ کی قوت زبان میں ودیعت کی تو میووں اور بہت سے کھانوں کو مزیدار بنایا۔ اسی طرح ناک میں قوت شامہ رکھی۔تو ادھر بہت سے خوشبودار پھول بھی اس کے لئے پیدا کئے۔ غرض دنیا کی چیزیں آپس میں ایک گہرا تعلق رکھتی ہیں اور یہ بات علم پر دلالت کرتی ہے اور علم بغیر عالم کے نہیں ہوتا کیونکہ کوئی صفت بغیر موصوف کے قائم نہیں ہوتی۔سو اسی عالم کو ہم اپنی اصطلاح میں خدا کہتے ہیں۔

نویں دلیل

دنیا میں جس قدر چیزیں ہم کو نظر آتی ہیں سب مرکب ہیں کوئی بھی مفرد نہیں۔ ہوا کو لو۔ وہ بھی مختلف گیسوں سے مرکب ہے۔ پانی بھی مرکب ہے۔غرض دنیا مرکبات کا مجموعہ ہے۔ ان مرکبات کا کوئی جوڑنے والا اور مرکب کرنے والا تسلیم کرنے پڑے گا اور وہی خدا ہے لیکن اگر کہو کہ یہ خود بخود مرکب ہوئے ہیں اور مرکب ہونا ان کی خاصیت ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ غلط ہے۔ کیونکہ اگر مرکب ہونا ان کا خاصہ ہے تو چاہئے کہ جب ہم ان چیزوں کو توڑ دیں تب بھی وہ دوبارہ مرکب ہو جایا کریں۔ کیونکہ بقول تمہارے مرکب ہونا ان کا اپنا خاصہ ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ دیکھو جب ہم ایک درخت سے اس کے پھل پھول، پتے، شاخیں، ڈالیاں، تنے جدا کر دیں تو وہ پھر کبھی نہیں جُڑتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جڑنا اور مرکب ہونا درخت کا اپنا خاصہ نہیں۔ ورنہ توڑنے کے بعد پھر دوبارہ جڑ جاتا اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ مرکب ہونا چیزوں کا اپنا خاصہ نہیں تو لامحالہ ایک مرکب کرنے والا ماننا پڑے گا۔ یہ بات گھڑے سے خوب حل ہوتی ہے۔ گھڑا پہلے مٹی تھا لیکن ایک شخص نے اپنے ارادہ سے اس مٹی کو پانی سے مرکب کیا۔ پھر ایک خاص صورت بنائی۔ پھر اُسے آگ میں ڈالا اور تب جا کر وہ گھڑا بنا۔ اب بتاؤ کہ وہ گھڑا خود بخود بنا۔ یا اسے کسی نے بنایا۔ اگر کہو کہ خود بخود بنا تو ہم کہتے ہیں آؤ اسے تھوڑی دیر کے لئے توڑ دیں۔ پھر دیکھیں کہ آیا یہ دوبارہ ویسا بن جاتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ گھڑے نے موجودہ صورت خود بخود اختیار نہیں کی بلکہ اس کا کوئی بنانے والا ضرور موجود ہے۔ اسی طرح دنیا کی تمام چیزیں مرکب اور ایک خاص صورت پر ہیں۔ اگر کہو کہ وہ خود بخود اس ترکیب سے اور اس ہیئت پر ہیں تو یہ تو صریحاً غلط ہے۔ ان کو توڑ کر دیکھ لو۔ دوبارہ کبھی خود بخود نہ بن سکیں گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کا ترکیب دینے والا کوئی اور وجود ہے۔

دسویں دلیل

سورج روشنی دیتا ہے۔ کھیتیاں پکاتا ہے۔ہمیں گرمی پہنچاتا ہے۔ گندے اجرام ہلاک کرتا ہے۔ چاند رات کی مشعل ہے۔ میوے پکاتا ہے۔ مدوجزر پیدا کرتا ہے۔ پانی ہماری پیاس بجھاتا ہے۔ ہمارے اور بہت سے کاموں میں کارآمد ہے۔غرض دنیا میں بہت سی چیزیں انسان کو فائدہ پہنچاتی ہیں۔ ان کے متعلق تین ہی صورتیں عقل میں آ سکتی ہیں۔ یا تو کہا جاوے کہ یہ سب اتفاقی ہوتی ہیں لیکن یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ اتفاقیہ وہی بات ہوتی ہے جو کبھی ہو اور کبھی نہ ہو۔ لیکن سورج کا چڑھنا اتفاقیہ نہیں۔ ہر روز چڑھتا ہے اور وقت معین پر غروب ہوتا ہے۔ اور جب سے دنیا بنی اور انسانی تاریخ گواہی دیتی ہے یہی ہوتا چلا آیا کہ وقت مقررہ پر سورج نکلا اور مقررہ پر ہی غروب ہوا۔ گرمی ہو۔سردی ہو۔ برسات ہو۔ بہار ہو خزاں۔ ہمیشہ طلوع ہوا اور ہمیں روشنی بخشی۔ ہماری کھیتیاں پکائیں۔ اسی طرح چاند کا بھی یہی حال ہے۔ پانی کو لو وہ بھی ایسا ہی پایا جاتا ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ سورج کا چڑھنا، چاند کا طلوع ہونا، پانی کا پیاس بجھانا اتفاقیہ نہیں کیونکہ اتفاقیہ اسے کہتے ہیں جو کبھی ہو اور کبھی نہ ہو۔ کیا کبھی وہ لڑکا جو روز مدرسہ میں حاضر ہوتا ہے وہ کبھی کہہ سکتا ہے کہ میں مدرسہ میں اتفاقیہ جایا کرتا ہوں۔ دوسری صورت یہ ہے کہ یہ باتیں اتفاقیہ نہیں ہوتیں بلکہ سورج چاند پانی اپنے ارادہ اور مرضی سے ایسا کرتے ہوں۔مثلاً سورج خود مہربانی سے انسانوں پر رحم کرنے کے لئے دن کو نکلتا اور رات کو غروب ہوتا ہو اور ہمارے آرام کے لئے وہ اناج، غلے پکاتا ہو۔ اور چاند بھی اپنی مرضی سے نکلتا اور چھپتا ہو۔ اور پانی بھی جان بوجھ کر اپنی مرضی سے ہماری پیاس بجھاتا ہو۔سو اس صورت میں چاہئے کہ دہریئے بجائے ایک خدا ماننے کے بہت سے خداؤں کا اقرار کریں۔سورج کا بھی شکریہ ادا کریں اور اس کی عبادت کریں اور اس کے حضور عرض کریں کہ اے ہمیں روشن کرنے والے! ہمیں اناج اور غلے دینے والے! تو ہم سے خوش رہ اور کبھی ہم سے ناراض نہ ہونا کیونکہ اگر تو ناراض ہوا تو ہم کہیں کے نہ رہیں گے۔ اسی طرح چاند کی بھی پرستش کریں اور پانی کو بھی پوجیں کیونکہ جب یہ چیزیں اپنے ارادہ اور اپنی مرضی سے ایسا کرتی ہیں تو ہو سکتا ہے کہ ایک دن ایسا کرنا چھوڑ دیں کیونکہ مختار جو ہوئیں کسی کی قید میں تو وہ نہیں ہیں۔ دیکھو جو شخص ایک کام اپنے ارادہ سے اور اپنی مرضی اور خوشی سے کرتا ہے وہ

اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ ایک وقت میں اُسے چھوڑ دے۔ اس لئے چاہئے کہ دہریہ لوگ سورج چاند اور پانی ہوا وغیرہ کی عبادت کریں۔ ان کو پوجیں۔ ان سے دعا وغیرہ کریں۔ کیونکہ وہ اپنی مرضی اور خوشی سے ایسا کرتے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ناراض ہو کر ہمیں تباہ کر دیں۔غرض اگر یہ مانا جاوے کہ سورج اور چاند وغیرہ کے فوائد اور منافع اتفاقیہ نہیں بلکہ وہ اپنی خوشی اور ارادہ سے ایسا کرتے ہیں تو پھر تو بجائے ایک خدا کے بہت سے وجود قابل عبادت ہو گئے۔ چنانچہ اسی لئے بعض قومیں کواکب پرست اور شمس وقمر پرست ہیں۔

تیسری صورت یہ ہے کہ نہ یہ تمام باتیں اتفاقیہ ہیں اور نہ سورج چاند وغیرہ اپنی مرضی اور خوشی سے چڑھتے اور غروب ہوتے ہیں بلکہ کوئی ان پر حکمران ہے۔جس کے قبضہ قدرت میں یہ سب چیزیں ہیں۔جس کے حکم سے چڑھتے اور غروب ہوتے ہیں۔ اس تیسری صورت کو تسلیم کرتے ہوئے ہم کہیں گے کہ بس اسی متصرف کو ہم خدا کہتے ہیں۔ اور یہی اس کے وجود کی دلیل ہے۔غرض دنیا کے کارخانہ اور اس کے نظام کے متعلق تین ہی صورتیں ہیں۔ یا تو کہا جاوے کہ یہ سب کام اتفاقیہ ہیں تو اعتراض ہوتا ہے کہ اتفاقیہ نہیں۔ کیونکہ ایک بے نظیر باقاعدگی پائی جاتی ہے اور اتفاقیہ کام تو وہ ہوتا ہے جو کبھی ہوا اور کبھی نہ ہوا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ہوا، پانی، سورج، چاند سب اپنی مرضی سے کام کرتے ہیں تو یہ بھی دہریہ نہیں مانتے اور اگر مانیں تو پھر دہریہ نہیں رہتے۔ کیونکہ ایک خدا چھوڑ اُنہیں بہت سے خدا ماننے پڑیں گے اور ان سب چیزوں کی پرستش کرنی پڑے گی اور ان سب کا شکریہ ادا کرنا پڑے گا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ یہ سب چیزیں اپنی مرضی سے کام نہیں کرتیں بلکہ کسی کے حکم سے۔ تو پھر بھی دہریوں کا مذہب باطل ہو گیا کیونکہ اسی حاکم کو ہم خدا کہتے ہیں۔

گیارہویں دلیل

دنیا کے وجود کے متعلق دو باتیں ہوسکتی ہیں یا تو یہ کہ وہ خود بنی ہے دوسرے یہ کہ اسے کسی نے بنایا ہے۔ اگر کہو کہ خود بخود بنی ہے تو یہ غلط ہے کیونکہ عدم سے وجود میں آنا ایک فعل ہے اور فعل بغیر فاعل کے نہیں ہوتا اور فاعل ہمیشہ اپنے فعل سے پہلے موجود ہوتا ہے۔سو اگر اس عدم سے وجود میں آنے کا فاعل خود دنیا ہے تو اس کے یہ معنیٰ ہوئے کہ دنیا اپنے خود بخود بننے سے پہلے بھی موجود تھی۔ کیونکہ خود بخود بن جانا ایک فعل ہے اور دنیا اس کی فاعل۔ اور فاعل فعل سے پہلے موجود ہوتا ہے۔ اس لئے نتیجہ یہی نکلے گا کہ دنیا اپنے پیدا ہونے سے پہلے بھی موجود تھی حالانکہ یہ بات ایسی بے ہودہ ہے کہ ایک بچہ بھی جانتا ہے کہ کوئی چیز اپنے پیدا ہونے اور بننے سے پہلے نہیں ہوتی۔ اس بات کا اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ردّ کرتا ہوا فرماتا ہے۔ اَمۡ ھُمُ الۡخَالِقُوۡنَ (الطور:36)۔ خیر یہ بات تو اس طرح بالکل باطل ہوئی۔ اب دوسری بات لو یعنی یہ کہ دنیا خود بخود نہیں بنی بلکہ اس کا بنانے والا کوئی ایک وجود ہے۔سو یہ بات واقعہ میں درست ہے اور اس بنانے والے کو ہم خدا کہتے ہیں۔

بارہویں دلیل

دہریوں کا یہ دعویٰ کرنا کہ ہم خود بخود دنیا میں پیدا ہوئے یہ غلط ہے۔ کیونکہ خود بخود پیدا ہونا ایک ترجیح ہے۔یعنی نیست پر ہست کو ترجیح دی گئی اور ترجیح بلا مرجح ہوتی نہیں۔ضرور کوئی مرجح ماننا پڑے گا۔ اگر دہریہ کہیں کہ خود مرجح ہیں تو یہ غلط ہے کیونکہ مرجح ترجیح سے پہلے ہوتا ہے۔ اور ہم اپنے عدم سے وجود میں آنے سے پہلے موجود نہ تھے۔ کیونکہ اگر ہم عدم سے وجود میں آنے سے پہلے بھی موجود ہوتے تو عدم سے وجود میں آنا کیسا۔غرض ہم مرجح نہیں ہو سکتے اور جب ہم نہ ہوئے تو کوئی اور ہو گا۔ بس اسی کو ہم خدا کہتے ہیں۔

(الفضل قادیان 7 فروری 1915ء)

بقیہ: حضرت محمد ﷺ کی عائلی زندگی مبارکہ... از صفحہ 8

نے فرمایا جو ان بیٹیوں کی وجہ سے آزمائش میں ڈالا گیا ہے اور اس نے ان سے اچھا سلوک کیا تو اس کے لئے آگ سے آڑ ہو گی۔ (بخاری، کتاب الادب)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی حتی کہ وہ بالغ ہوگئیں۔ وہ اور میں قیامت کے روز اس طرح آئیں گے اور آپ نے اپنی انگلیوں کو ملایا۔ (مسلم، کتاب البر)

ابن سعیدؓ اور ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جس کے ہاں لڑکا پیدا ہوا اسے اس کا اچھا نام رکھنا چاہئے۔ اس کی بہتر تربیت کرنی چاہئے اور جب وہ بالغ ہو اس کی شادی کرنی چاہئے۔ اگر وہ بالغ ہو اور اسکی شادی نہ کی اور اس نے گناہ کا ارتکاب کیا تو اس کا گناہ باپ کے سر پر ہے۔ (مشکوۃ کتاب النکاح)

2۔محبت و شفقت: حضورؐ کو اپنی اولاد سے نہایت محبت تھی لیکن ایک شفیق باپ کی حیثیت سے آپؐ نے مختلف مواقع پر اپنی محبت کا اظہار فرمایا۔ بچپن میں وفات پانے والے بیٹے، شادی شدہ بیٹیاں، نواسے اور نواسیاں، داماد، چچا زاد اور پھوپھی زاد سب آپؐ کی رحمت و محبت سے بہرہ ور ہوئے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ سے زیادہ میں نے کسی کو عیال و اطفال پر مہربان نہیں دیکھا۔ (اپنے صاحبزادے) ابراہیمؑ کے دودھ پینے کا انتظام مدینہ کے بالائی حصہ میں تھا آنحضرت ﷺ وہاں تشریف لے جاتے۔ ہم بھی آپؐ کے ساتھ ہوتے۔ گھر میں دھواں بھرا ہوتا تھا مگر آپؐ اندر چلے جاتے کیونکہ ابراہیمؑ کے رضاعی ماں کے شوہر لوہار تھے۔ آنحضرتؐ ابراہیمؑ کو گود میں لیتے اور بوسہ دیتے تھے۔

پھر اس بچے کا انتقال ہوتا ہے تو آنحضرتؐ کا ردعمل پدری شفقت و محبت کے تمام مظاہر سمیٹے ہوئے ہے۔ اظہار غم کے بشری تقاضے کو روکا نہیں اور مصنوعی ضبط سے غیر فطری طرز عمل کا مظاہر نہیں کیا۔ (طبقات، حصہ 1ص 136)

حضرت فاطمہؓ جب آپ کی خدمت میں تشریف لاتیں تو آپ کھڑے ہو جاتے۔ ان کی پیشانی چومتے اور اپنی نشست گاہ سے ہٹ کر اپنی جگہ پر بیٹھ جانے کا اشارہ فرماتے۔ (مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے حسن بن علی کا بوسہ لیا۔ آپؐ کے پاس اقرع بن حابس بیٹھے ہوئے تھے۔ اقرع نے کہا میرے دس بچے ہیں میں نے ان میں سے کسی کا بوسہ نہیں لیا۔ رسولؐ اللہ نے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا جو شخص رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ (رسائل و مسائل)

قرابت داروں سے ہمدردی

حضرت خاتم الانبیاءؐ جس طرح دوسرے معاملات میں مثالی فکر و عمل کے حامل تھے۔ اس طرح قرابت داروں سے تعلقات کے سلسلے میں بھی بے نظیر حیثیت رکھتے تھے۔حضورؐ کا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے ایک طرف عصبیت جاہلیہ کا قلع قمع کر دیا تو دوسری جانب اپنے اقارب سے حسن سلوک کا معیاری نمونہ پیش کیا۔ اور آپؐ کی ہی نوازش ہے کہ روابط میں مقصدی وابستگی اور انسانی ہمدردی کے واضح نقوش میسر آئے۔ کتب حدیث و سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلے کے دو پہلو ہیں۔

1۔اقارب کے سلسلے میں اصولی تعلیم

2۔آپ کا اپنا طرز عمل

اصولی تعلیم

اقارب کے متعلق ارشادات رسولؐ کے دو عناوین بنتے ہیں۔ایک صلہ رحمی اور دوسرے قطع رحمی۔قرآن پاک نے اقرباء سے حسن سلوک پر بڑا زور دیا ہے۔فرمایا:

اللہ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ بناؤ اور ماں باپ اور قرابت داروں سے نیکی کرو (النساء آیت 36)

حضرت ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھ کو ایسا کام بتائیں جو مجھے جنت میں داخل کر دے۔ آپؐ نے فرمایا: بلا شرکت اللہ کی عبادت کرو، نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور صلہ رحمی کرو (بخاری کتاب الادب)

2۔آپ کا طرز عمل

آپؐ کا طرز عمل اسی اصولی تعلیم کا حقیقی مظہر تھا۔آپ نے جب نبوت کا اعلان فرمایا تو سب سے پہلے اقارب کو ہدایت ربانی کی طرف بلایا۔ (طبقات حصہ 1صفحہ 200)۔ جناب ابوطالب کی معاشی حالت اچھی نہ تھی اس لئے آپؐ نے حضرت علیؓ کی کفالت اپنے ذمہ لے لی تھی (زرقانی، حصہ 1 صفحہ 208)

مکی زندگی میں آپؐ کے اقارب نے ہمیشہ مخالفت کی۔ آپؐ کے بعض انتہائی قریبی رشتہ دار آپ کو ختم کرنے کی سازش میں شریک تھے لیکن آپ نے اس کے بارے میں ہمیشہ کلمہ خیر کہا۔ مدینہ طیبہ میں منتقل ہونے کے بعد قریش مکہ کے ساتھ براہ راست تصادم ہو گیا۔قریش مکہ کے قریباً تمام لوگوں سے کسی نہ کسی طرح آپؐ کی قرابت داری تھی (بخاری کتاب الادب باب فضل صلہ رحم)

آپؐ کے جن قریبی رشتہ داروں نے اسلام قبول کر لیا تھا ان کے ساتھ تو حسن سلوک تھا مگر جن لوگوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا ان سے بھی نہایت اچھا سلوک کیا۔ ان قریبی رشتہ داروں میں آپ کے چچا، چچا زاد بھائی، چچا زاد بہن، پھوپھیاں اور پھوپھے، پھوپھی زاد بھائی وغیرہ شامل ہیں۔ آپ نے اقرباء کے سلسلہ میں ہمیشہ رحم وعفو اور خدمت و احسان پر عمل کیا۔ ان تعلقات میں یہ خاص نقطہ ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہئے۔

غلاموں سے حسن سلوک

آنحضرتؐ غلاموں سے خصوصی شفقت فرماتے تھے۔ آپؐ کا ارشاد ہے کہ جو تمہارا تمہارے مزاج کے مطابق ہو تو جو تم کھاتے ہو وہی ان کو کھلاؤ، اور جو خود پہنتے ہو ان کو پہناؤ۔ جو ناموافق ہوں انہیں بیچ دو اور خلق خدا کو عذاب نہ دو۔ (ابوداؤد کتاب الادب باب فی حق المملوک)

آنحضرتؐ کی ملکیت میں جو غلام آتے تھے آپؐ ان کو ہمیشہ آزاد فرما دیتے تھے لیکن وہ حضورؐ کے احسان و کرم کی زنجیر سے آزاد نہیں ہو سکتے۔ ماں باپ قبیلہ و رشتہ داروں کو چھوڑ کر عمر بھر آپ کی غلامی کو شرف جانتے تھے۔حضرت زیدؓ بن حارثہ غلام تھے۔ آنحضرتؐ نے آزاد کر دیا۔ ان کے والد لینے آئے لیکن وہ آستانہ رحمت پر باپ کے ظل عاطفت کو ترجیح نہ دے سکے اور جانے سے قطعاً انکار کر دیا۔ (طبقات حصہ 3صفحہ 41)

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم صحیح معنوں میں اپنی زندگیوں کو رسول اللہ ﷺ کے پاک اسوہ اور خلق عظیم کے رنگ میں رنگین کرنے والے ہوں اور وہ پاکیزہ معاشرہ استوار کریں جس کے قیام کے لئے ہمارے سید و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے۔

مرسلہ: غلام مصباح بلوچ

حضرت چوہدری فضل داد صاحب رضی اللہ عنہ

چک 146 ر ب کھیوہ ضلع فیصل آباد

حضرت چوہدری فضل داد صاحب رضی اللہ عنہ ولد مکرم قطب دین صاحب جٹ اصل میں موضع سرے دانی (Surmedani) ضلع نارووال (اُس زمانے میں یہ گاؤں تحصیل شاہدرہ ضلع شیخو پورہ میں تھا) کے رہنے والے تھے۔ انگریز دور میں جب نہری نظام کے ذریعے زمینیں آباد ہوئیں تو آپ موضع چک 146 ر ب کھیوہ ضلع فیصل آباد منتقل ہوگئے اور پھر ساری زندگی وہیں گذاری۔ آپ اندازاً 1872ء میں پیدا ہوئے اور 1895ء میں بیعت کی توفیق پائی۔ آپ بیان کرتے ہیں:

’’میں جلسہ 1895ء میں سید محمد علی شاہ صاحب ساکن کلاس والہ کے کہنے پر قادیان گیا۔ اُنہوں نے بتایا کہ ایک صبح کو وہ سیالکوٹ گئے تو ایک شخص کو دیکھا کہ وہ چبوترہ پر بیٹھا ہے، پاس ہی حقہ ہے۔ خط لکھ رہا ہے۔ مَیں نے پوچھا کہ حقہ پی لوں؟ اُنہوں نے اجازت دی۔ مَیں نے پوچھا کہ کیا لکھتے ہو؟ اُس نے کہا کہ مجھے قولنج کی درد تھی، حکماء یونانی اور ڈاکٹری کا علاج کرایا فائدہ نہ ہوا۔ آخر منت مانی کہ خدایا اگر مرزا غلام احمد قادیانی تیری طرف سے ہے اور سچا ہے تو مجھے اس درد سے شفا دے تو میں اُن کی خدمت میں بمعہ اہل وعیال حاضر ہوں گا۔ چنانچہ اسی رات غنودگی میں دیکھا کہ ایک شخص جس کا حلیہ حضرت صاحب کا تھا، آیا اور مجھے کہا کہ اے شخص! خدا نے تجھے اس بیماری سے شفا دے دی ہے۔ اب اپنا عہد پورا کر۔ اُسی وقت مجھے اس درد سے آرام آ گیا۔ شاہ صاحب نے بعد میں آ کر بیعت کر لی۔ مَیں نے اُس وقت بیعت نہیں کی تھی۔ (مَیں حلفاً بیان کرتا ہوں کہ مجھے سید محمد علی شاہ صاحب نے ایسا ہی بتایا ہے۔ اے خدا! اگر میں جان بوجھ کر غلط بیانی سے کام لے رہا ہوں تو مجھ پر خدا کی لعنت ہو۔)

سید محمد علی شاہ صاحب کے اس بات کے کہنے سے مجھے حضرت صاحب کے دیکھنے کا شوق ہوگیا، چنانچہ گیا۔ ان دنوں جلسہ سالانہ پر بہت تھوڑے آدمی ہوتے تھے..... جلسہ مسجد اقصیٰ میں تھا.....‘‘

(الحکم 7/ اگست 1935ء صفحہ 5)

رجسٹر روایات صحابہ میں محفوظ آپ کی بیان کردہ روایات یوں درج ہیں:

’’میں تحقیق حق کے لئے 1895ء یا 1896ء میں قادیان گیا اور وہاں مجھ پر حق کھل گیا تو میں نے حضرت خلیفۃ المسیح الاول مولانا مولوی نورالدین صاحبؓ کی خدمت میں حاضر ہوکر ایک روپیہ نذرانہ پیش کیا (کیونکہ میں نے آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام خیال کیا) مولوی صاحب نے حاضرین کو فرمایا کہ مجھے اس روپیہ کی بڑی ضرورت تھی اور خدا نے اچھے موقع پر دیا ہے۔ مولوی صاحب چونکہ طبیب تھے اور انہوں نے خیال کیا کہ یہ شخص مریض ہے اور مجھ سے دریافت کیا کہ تمہیں کیا بیماری ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں بیمار نہیں ہوں، صرف بیعت کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ مولوی صاحب نے روپیہ مجھے واپس دے دیا اور فرمایا کہ بیعت لینے والا اور ہے، میں نہیں ہوں۔ پھر میں نے ایک شخص کو جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں رہتا تھا کہا کہ میری بیعت کروادو۔ اس شخص نے کہا کہ جس وقت حضرت صاحب سیر سے واپس تشریف لا کر مسجد مبارک کی سیڑھیوں کے راستہ گھر کو تشریف لے جاویں اس وقت بیعت کے لئے عرض کرنا۔ چنانچہ میں ایک روز جب حضور سیر سے واپس تشریف لا کر گھر کو جانے لگے تو میں مسجد مبارک میں گھر کے اندر جانے والے دروازہ کے پاس کھڑا ہوگیا۔ جب حضور تشریف لائے اس وقت مصافحہ کیا، نذرانہ دیا اور بیعت کرنے کے لئے عرض کیا۔ حضور نے ایک شخص کو فرمایا کہ بعد نماز مغرب ان کو بیعت کروادینا چنانچہ بعد نماز مغرب حضرت اقدس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دس شرائط بیعت دہرا کر مجھ سے بیعت لے لی۔ چنانچہ جب میں قادیان سے واپس اپنے چک نمبر 146 میں آیا تو مجھے ایک سید مسمی دولت شاہ ساکن ضلع سیالکوٹ نے یہ کہا کہ تم جس شخص کی بیعت کر کے آئے ہو نہ ہی وہ شفاعت کے قائل ہیں اور نہ ہی نبیوں کے معجزات کے قائل ہیں۔ چنانچہ قادیان حضور کی خدمت میں خط لکھا گیا۔ وہاں سے جو خط آیا وہ مولوی عبد الکریم صاحب مرحومؓ کے ہاتھ کا حسب ذیل مضمون کا لکھا ہوا پہنچا:

’’جو شفاعت کا قائل نہیں وہ بھی کافر، جو انبیاء کے معجزات کا قائل نہیں وہ بھی کافر، حقیقی مردے زندہ نہیں ہو سکتے، باقی دشمنوں کی زبان کو کون روکے؟‘‘

ایک دفعہ میں حضور کے ملنے کے لئے قادیان گیا۔ سن یاد نہیں۔ مسجد مبارک میں ان دنوں ایک لائن میں پانچ آدمی کھڑے ہوتے تھے۔ صبح کی نماز کے بعد حضور مسجد میں ٹھہر گئے (نماز صبح مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم نے پڑھائی تھی) فرمایا، اللہ رحم کرے بارشیں بہت ہوگئی ہیں۔ سردی زیادہ پڑے گی اور طاعون بھی زیادہ پھیلے گی۔ ان دنوں طاعون کی پیشگوئی شائع ہو کر قادیان سے باہر طاعون پھیلی ہوئی تھی۔

ایک دفعہ جب مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم کو ’’کاربنکل‘‘ کا پھوڑا نکلا ہوا تھا اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب علاج کر رہے تھے۔ صبح کے وقت حضور نے میرے سامنے یہ فرمایا کہ رات کو خواب میں مجھے اپنے بھائی غلام قادر ملے ہیں۔ اس سے میں یہ سمجھتا ہوں کہ مولوی عبد الکریم صاحب کو صحت ہوجاوے گی مگر مولوی صاحب فوت ہوگئے۔‘‘

(رجسٹر روایات صحابہ نمبر 3 صفحہ 130،131)

اخبار بدر یکم نومبر 1906ء صفحہ 14 پر چک 146 کھیوہ ضلع لائل پور کے 30 سے زائد افراد کے نام بیعت کنندگان میں درج ہیں جن میں آپ دونوں میاں بیوی کا نام بھی شامل ہے۔ آپ اپنی جماعت کے سیکرٹری تھے، ناظر صاحب بیت المال قادیان ایک جگہ رپورٹ میں لکھتے ہیں: ’’چک 146 کھیوہ۔ چوہدری فضل داد صاحب والد ڈاکٹر نور احمد صاحب سیکرٹری ہیں اور آپ کا ہی چندہ زیادہ ہوتا ہے، دو تین احباب دوسرے بھی ہیں....‘‘

(الفضل 21/ جنوری 1930ء صفحہ 25)

آپ نے 3/ اپریل 1950ء کو وفات پائی۔ اخبار الفضل میں وفات کی خبر یوں درج ہے:

’’مکرمی چوہدری فضل داد صاحب جو چک 146 رکھ برانچ موسومہ کھیوہ تحصیل وضلع لائل پور کے رہنے والے تھے، ساڑھے تین ماہ لگاتار دمہ کی بیماری سے بیمار رہ کر 3/ اپریل 1950ء بوقت صبح اپنے چک میں 78 سال کی عمر میں فوت ہوگئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

مرحوم کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام سے 1895ء سے بیعت کا شرف حاصل تھا۔ مرحوم موصی تھے۔ 1938ء میں وصیت کی اور اپنی جائیداد ملکیتی .... اپنی زندگی میں ہی بحق صدر انجمن احمدیہ کر کے قبضہ دے دیا تھا۔ مرحوم بہت بڑے مخلص اور اعلیٰ درجہ کے صالح انسان تھے..... آپ کا جنازہ حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے ربوہ میں پڑھایا۔ اہالیان ربوہ کی بہت بڑی تعداد نے جنازہ میں شامل ہو کر مرحوم کے لیے دعا کی۔ سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بوجہ درد نقرس کے جنازہ نہ پڑھا سکے۔ مرحوم کو موصیوں کے قبرستان میں دفن کیا گیا.....‘‘

(الفضل 11/ اپریل 1950ء صفحہ 4)

آپ کی اہلیہ حضرت برکت بی بی صاحبہ بھی صحابیہ تھیں۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ ’’ایک دفعہ جبکہ بارش کے بعد آسمان پر قوس قزح پیدا ہوئی تو حضرت مبارکہ بیگم صاحبہ نے حضرت اقدسؑ سے پوچھا کہ یہ کیوں ہوتی ہے.... چنانچہ بعد میں حضور نے اس کی تشریح فرمائی کہ یہ روشنی کے رنگ ہیں۔‘‘ (الحکم 7/ اگست 1935ء صفحہ 5)

حضرت برکت بی بی صاحبہ نے 23/ نومبر 1935ء کو بعمر 50 سال وفات پائی اور بوجہ موصیہ (وصیت نمبر 2256) ہونے کے بہشتی مقبرہ قادیان میں دفن ہوئیں۔ آپ کی اولاد میں سے جن کا علم ہوا ہے اُن میں ایک بیٹے محترم ڈاکٹر نور احمد صاحب نے مورخہ 9/ ستمبر 1951ء بعمر 53 سال وفات پائی اور بوجہ وصیت بہشتی مقبرہ ربوہ میں دفن ہوئے۔ ایک اور بیٹے چوہدری سید احمد صاحب (ولادت: 1900ء۔ وفات: 11/ دسمبر 1969ء) بھی بہشتی مقبرہ ربوہ میں دفن ہیں، ان کی اہلیہ محترمہ محمد بی بی صاحبہ ناصر آباد ربوہ نے مورخہ 21/ دسمبر 1993ء کو وفات پائی اور بہشتی مقبرہ ربوہ میں دفن ہوئیں۔

☆...☆...☆

درثمین خان

حضرت محمد ﷺ کی عائلی زندگی مبارکہ

عائلی زندگی یا گھریلو زندگی کے لئے انگریزی زبان میں Familylife کالفظ ہے۔عربی زبان میں عائلہ کا لفظ بیوی کے لئے اور گھر کے افراد کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اردو میں زیادہ موزوں الفاظ خاندان، کنبہ اور گھرانہ ہے۔ خاندان ایک قدیم ترین معاشرتی ادارہ ہے۔ علمائے معاشرت نے اسے پوری انسانی زندگی کی بنیاد قرار دیا ہے۔ علمائے معاشرت نے خاندان کے عناصر ترکیبی پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس میں بنیادی اکائی مرد وعورت ہیں، اس کے بعد اولاد، والدین اور رشتہ دار وغیرہ خاندان کے استحکام کا دارومدار اس امر پر ہے کہ اس کے اجزاء ترکیبی باہم دگرکس حدتک مربوط ہوتے ہیں۔

عائلی زندگی میں رسول کریم ﷺ کا بہترین نمونہ

حضور اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ میں خاندان کے جملہ عناصر ترکیبی مثلاً والدین، ازواج، اولاد، اقرباء اور غلاموں کے بارے میں واضح ہدایات موجود ہیں۔

والدین

والدین اگرچہ خاندان کے ضمن میں بنیادی اہمیت رکھتے ہیں لیکن نبی کریمؐ کو اپنے والدین کی خدمت کا موقع میسر نہیں آیا کیونکہ وہ آپ ﷺ کی عملی زندگی سے پہلے وفات پاچکے تھے۔ البتہ ایک آدھ روایت میں آپؐ کے اس طرز عمل کا ذکر ملتا ہے جو آپؐ نے اپنی رضاعی والدہ یا بہن سے کیا۔ (ابو داؤد، کتاب الادب)

حضرت عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے پاس مال ہے اور صاحب اولاد ہوں اور میرا والد میرے مال کی حاجت رکھتا ہے۔حضورؐ نے فرمایا تم بھی اپنے باپ کا مال ہو اور تمہاری متاع بھی۔

حضرت ابو درداءؓ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ والد جنت کے دروازوں کا درمیانی حصہ ہے اگر تو چاہے تو اس دروازے کو ضائع کردے یا حفاظت کرے۔

نبی کریم ﷺ کے ارشادات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خاندان میں والدین کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ والدین کو پوری عزت و وقارنہ دینے سے خاندانی نظم برقرار نہیں رہ سکتا۔ گو آپ ﷺ کو عملاً والدین کی ودیعت اور ان کی خدمت کرنے کا موقع نہیں ملا تاہم آپ ﷺ نے کمال حکمت سے ان کی حیثیت متعین کر دی۔

بے مثال شوہر

خانگی زندگی میں سب سے پہلا تعلق خاوند بیوی کا تعلق ہے۔ آپ ﷺ نے ایک سے زائد نکاح کئے اور تمام ازواج سے مثالی سلوک کیا۔ ایک خاوند کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ بیوی کو سکون، اعتماد اور تحفظ مہیا کرے۔حضور ﷺ کی عائلی زندگی کے مطالعے کے لئے مندرجہ ذیل نکات پیش کئے جارہے ہیں۔

I.وفادار شوہر

II.حقوق کا خیال

III.خانگی زندگی کے بشری مظاہر

IV.تنظیم امور

وفادار شوہر

میاں بیوی کے تعلق میں بنیادی چیز وفا کا وہ رشتہ ہے جو جانبین کو ایک دوسرے سے مربوط رکھتا ہے۔ آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ میں یہ وصف نمایاں نظر آتا ہے۔ وفا کا اولین اظہار حضرت خدیجہؓ کے ضمن میں ہوتا ہے۔ آپؐ کو حضرت خدیجہؓ سے بے انتہاء محبت تھی۔ جب وہ عقد میں آئیں تو ان کی عمر چالیس برس تھی (طبقات حصہ اول صفحہ 132)

نکاح کے بعد پچیس برس زندہ رہیں اور ان کی زندگی تک آنحضرتؐ نے دوسری شادی نہیں کی۔حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد آپؐ کا معمول تھا کہ جب کبھی گھر میں کوئی جانور ذبح ہوتا تو آپؐ ڈھونڈ ڈھونڈ کر حضرت خدیجہؓ کی ہم نشین عورتوں کے پاس گوشت بھجواتے تھے۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ خدیجہؓ کی بہن ہالہ بنت خویلد نے آنحضرت ﷺ سے اندر آنے کی اجازت طلب کی تو آپؐ نے حضرت خدیجہؓ کا اجازت مانگنا سمجھا۔ آپؐ (مارے رنج) کے لرزنے لگے۔ پھر آپؐ نے فرمایا! خدایا! یہ تو ہالہ ہے۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں مجھے بڑا رشک آیا تو میں نے کہا آپؐ بھی کیا یاد کرتے ہیں۔یعنی ایک سرخ رخساروں والی قریشی بڑھیا کو جسے مرے ہوئے زمانہ ہوگیا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ان سے بہتر بدل عطافرمایا ہے (مسلم کتاب فضائل الصحابہ)ابن عبد البر نے حضورؐ کا جواب بھی نقل کیا ہے۔ آنحضرتؐ نے عائشہؓ کے جواب میں فرمایا ہرگز نہیں جب لوگوں نے میری تکذیب کی تو انہوں نے تصدیق کی۔ جب لوگ کافر تھے تو وہ اسلام لائیں۔ جب میرا کوئی مددگار نہ تھا تو انہوں نے میری مدد کی اور اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے اولاد دی اور ان کے سوا سب کو اس سے محروم رکھا (الاستیعاب حصہ 4صفحہ 279)

آنحضرتؐ کے داماد ابو العاص جنگ بدر کے اسیروں میں آئے تھے۔ ان کے پاس فدیہ کی رقم نہ تھی۔ آنحضرتؐ کی صاحبزادی زینبؓ کو (جو ان کی زوجہ تھیں اور مکہ میں تھیں) کہلا بھیجا کہ فدیہ کی رقم بھیج دیں۔حضرت زینبؓ کا جب نکاح ہوا تھا تو حضرت خدیجہؓ نے جہیز میں ان کو ایک قیمتی ہار دیا تھا۔حضرت زینبؓ نے زرفدیہ کے ساتھ وہ ہار بھی گلے سے اُتار کر بھیج دیا۔ آنحضرتؐ نے جب ہار دیکھا تو 25برس کا محبت انگیز واقعہ یاد آ گیا۔ آپ بے اختیار رو پڑے اور صحابہؓ سے فرمایا کہ تمہاری مرضی ہو تو بیٹی کو ماں کی یادگار واپس کر دوں۔سب نے تسلیم کی گردنیں جھکادیں اور ہار واپس کر دیا۔(سیرۃ، حصہ 2صفحہ 308)

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد آپؐ نے متعدد نکاح کئے اور سب کے ساتھ محبت و وفا کا تعلق اس طرح قائم رکھا کہ کسی کو شکایت کا موقع نہیں ملا۔حضرت عائشہؓ سے بہت محبت تھی۔ لیکن یہ محبت دوسری ازواج کی حق تلفی کا باعث نہ تھی۔ چنانچہ آپؐ نے آخری مرض کے ایام میں تمام ازواج مطہرات سے اجازت لی اور اپنی زندگی کے آخری دن حضرت عائشہؓ کے حجرے میں بسر کئے۔ (بخاری، کتاب المغازی) آنحضورؐ کی وفا اس لحاظ سے اور بھی بے نظیر لگتی ہے کہ آپؐ کثیر الازواج تھے مگر کسی زوجہ کو بھی احساس بیگانگی نہیں ہوا۔

حقوق کا خیال

نبی کریمؐ کی ایک سے زائد بیویاں تھیں ایسے میں ان کے حقوق کا لحاظ اور ان کے درمیان عدل و توازن آپؐ کا ایسا کارنامہ ہے جو مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ آپؐ نے نہ صرف یہ کہ اپنی ازواج مطہرات کے وقار کا خیال رکھا بلکہ عورت کو بیوی کی حیثیت میں بلند مقام عطا کیا۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھروں کے لئے بہتر ہے اور میں اپنے گھروں کے لئے بہتر ہوں۔

رسول اکرمؐ نے اہل خانہ کے ساتھ حسن سلوک کا شاندار معیار قائم کیا۔ اپنی بیویوں سے آپؐ کو جو تعلق خاطر تھا اور جس طرح ان سے برتاؤ کرتے تھے ان کا اندازہ ان واقعات سے ہوتا ہے جو حدیث وسیرت کی کتابوں میں موجود ہیں۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ جب سفر کرتے تو اپنی ازواج کے بارے میں قرعہ اندازی فرماتے (ابو داؤد کتاب النکاح)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نماز عصر کے بعد اپنی بیویوں کے پاس تشریف لے جاتے تھے اور کسی کے پاس کچھ دیر ٹھہرتے۔ ایک دن حفصہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور وہاں معمول سے زیادہ ٹھہرے۔ (بخاری، کتاب النکاح) حضور اکرم کو آخری دم تک یہ احساس تھا۔ چنانچہ آپؐ نے مرض الموت میں بھی اس امر کا اہتمام کیا کہ حضرت عائشہ کے گھر میں رہنے کے لئے دوسری ازواج مطہرات سے اجازت طلب کی۔

معاشی حقوق

بیویوں کے حقوق میں معاشی تحفظ کو بھی بہت اہمیت حاصل ہے۔ قرآن پاک نے ان کے مہر و نفقہ کا حکم دیا ہے۔فرمایا

اور تم بیویوں کو ان کے مہر خوش دلی سے دے دیا کرو وہاں اگر وہ بیبیاں تم کو اس کا کچھ حصہ خوش دلی سے چھوڑ دیں تو خوشگوار ہو کر کھاو۔ (النساء، آیت نمبر 4)

حضرت ابوسلمہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ نبیؐ کا مہر کتنا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ آپؐ کا مہر اپنی بیویوں کے لئے بارہ اوقیہ اور ایک نش تھا۔ پھر عائشہؓ نے کہا نش جانتے ہو میں نے کہا نہیں۔ کہا نصف اوقیہ اور سب ملا کر پانچ سو درہم ہوئے۔

نجاشی نے ام حبیبہؓ کا نکاح حضورؐ سے کیا تو حق مہر چار ہزار درہم مقرر کیا۔ (ابو داؤد، کتاب النکاح، حصہ 2) گو آپؐ کم مہر کو پسند فرماتے تھے لیکن اس کو عورت کا حق قرار دیتے اور اسے ادا کرنا ضروری سمجھتے تھے

مہر کے بعد اہم چیز بیوی کے اخراجات کی ذمہ داری ہے نبیؐ نے اس سلسلے میں بھی اصولی تعلیم عطا فرمائی ہے۔

حکم بن معاویہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ! شوہر پر بیوی کا کیا حق آپؐ نے فرمایا جب کھائے تو اسے کھلائے اور جب پہنے تو اسے پہنائے اس کے چہرے پر نہ مارے۔ اسے بُرا نہ کہے اور گھر کے سوا اس سے علیحدگی نہ اختیار کرے۔ (ابو داؤد، کتاب النکاح)

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ہم لوگوں کو آگ جلائے ہوئے ایک ایک مہینہ گزر جاتا تھا کبھی ہم صرف کھجوریں اور پانی استعمال کرتے تھے مگر یہ کہ تھوڑا گوشت ہم لوگوں کے پاس آجاتا تھا تو اس کو پکا لیتے تھے۔ (مسلم، کتاب الزھد)

DAILY LONDON
ALFAZL
ONLINE
www.alfazlonline.org
@alfazlonline
@alfazlonline
ONLINE EDITION
Download on the App Store
ANDROID APP ON Google play
اپنے مضامین، آرٹیکلز، نظمیں اور آراء
درج ذیل ذرائع میں سے کسی ایک پر بھجوائیں
+44 79 5161 4020
info@alfazlonline.org

ان حالات میں شکایات کا پیدا ہونا ایک قدرتی امر تھا چنانچہ ازواج مطہرات کی طرف سے مطالبات ہوئے تو ارشاد باری تعالیٰ ہوا:

ترجمہ: اے نبیؐ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تم دنیا کی زندگی چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں بہت کچھ دے دلا کر اچھی طرح رخصت کر دوں اور اگر تم خدا اور اس کے رسول اور دار الاخرت کو پسند کرتی ہو تو خدا نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔ (الاحزاب)

ام المومنین حضرت عائشہؓ اس واقعہ پر ازواج مطہرات کا ردعمل بیان کرتی ہیں اس سے اندازہ ہوتاہے کہ آپؐ کے عادلانہ رویہ سے ازواج مطہرات کتنی مطمئن تھیں۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے ہمیں اختیار دیا تو ہم نے اللہ اور اس کے رسول کو پسند کیا اور آپؐ نے اسی اختیار کو (بخاری، کتاب الطلاق)

رسول اکرمؐ کی معاشی زندگی ایک استثنائی کیفیت تھی۔ اس کے باوجود آپؐ نے اہل خانہ کی کفالت کی حتی المقدور کوشش فرمائی اور امت کو عورتوں کے حقوق کی خصوصی وصیت کی۔

خانگی زندگی سے بشری مظاہر

اس انسان کامل کی بشری زندگی کا جو پہلو بہت متاثر کرتا ہے وہ یہ کہ آپؐ کے ہاں مرتبے کی تمام عظمتوں کے باوجود انسانی زندگی کے شائستہ مظاہر نظر آتے ہیں۔ آپؐ اپنے گھر میں ازواج مطہرات کی باتیں سنتے، ان کے اختلافات مٹاتے اور دلچسپ گفتگو فرماتے تھے۔

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ اپنی کسی بیوی کے پاس تھے کہ آپؐ کی دوسری بیوی نے ایک رکابی میں کھانا بھیجا۔ جس بیوی کے گھر آپؐ تشریف فرما تھے اس نے غلام کے ہاتھ پر ہاتھ مارا جس سے رکابی گر کر ٹوٹ گئی۔ نبیؐ نے اس کے ٹکڑے جمع کئے پھر اس میں جو کھانا تھا اسے سمیٹتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ تمہاری ماں نے بھی ایسی غیرت کی تھی۔ پھر آپؐ نے خادم کو ٹھہرالیا اور اس کی بیوی سے جس کے گھر آپؐ تھے دوسری رکابی منگوا کر اس کو دلوا دی جس کی رکابی ٹوٹی تھی اور وہ ٹوٹی ہوئی رکابی ان کے گھر رکھ دی جنہوں نے توڑی تھی (بخاری۔ کتاب النکاح)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے مجھ فرمایا میں جان لیتا ہوں جب تو مجھ سے خوش ہوتی ہے اور جب مجھ سے ناخوش ہوتی ہے۔ میں نے عرض کیا۔ یہ آپؐ کیونکر جان لیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا جب تو خوش ہوتی ہے تو کہتی ہے نہیں قسم محمدؐ کے رب کی اور جب ناراض ہوتی ہے تو کہتی ہے نہیں قسم ہے ابراہیمؑ کے رب کی۔ میں نے عرض کیا بیشک خدا کی قسم (جب ناراض ہوتی ہوں، تو آپؐ کا نام چھوڑ دیتی ہوں۔ (مسلم، کتاب فضائل الصحابتہ)

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہؐ مجھے اپنی چادر میں چھپائے ہوئے تھے اور میں حبشیوں کو دیکھ رہی تھی جو مسجد میں کھیل رہے تھے جب میں تھک جاتی تو آپؐ مجھے ہٹا لیتے اس بات سے تم اندازہ کرلو کہ کمسن لڑکی کو کھیل کود دیکھنے کا کتنا شوق ہوتا ہے۔ (بخاری، کتاب الادب)

حضرت نعمانؓ بن بشیر سے روایت ہے کہ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ آنحضرتؐ سے برہم ہوکر بلند آواز سے باتیں کر رہی تھی۔ اتفاقاً حضرت ابوبکرؓ آ گئے۔ حضرت عائشہؓ کو پکڑ کر تھپڑ مارنا چاہا کہ رسولؐ اللہ سے چلا کر بولتی ہے۔ آنحضرتؐ حضرت عائشہؓ کے آڑے آ گئے حضرت ابو بکرؓ غصہ سے بھرے باہر چلے گئے۔ حضورؐ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کیوں؟ کس طرح تم کو بچالیا۔ چند روز بعد حضرت ابو بکرؓ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ حالت بدل چکی تھی۔ بولے مجھ کو بھی صلح میں شریک کرلو جیسا کہ اس دن میں نے جنگ میں شرکت کی تھی آپؐ نے فرمایا ہاں اور ہاں (ابو داؤد کتاب الادب)

ایک مرتبہ رسول اکرمؐ حضرت صفیہؓ کے پاس تشریف لے گئے دیکھا کہ رو رہی ہیں۔ آپؐ نے رونے کی وجہ پوچھی انہوں نے کہا کہ عائشہؓ اور زینبؓ کہتی ہیں کہ ہم ازواج سے افضل ہیں۔ ہم آپؐ کی زوجہ ہونے کے ساتھ ساتھ آپؐ کی چچازاد بھی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا تم نے کیوں نہ کہہ دیا کہ ہارون میرے باپ موسیٰ میرے چچا اور محمدؐ میرے شوہر ہیں اس لئے تم لوگ کیونکر مجھ سے افضل ہوسکتی ہو۔ (ترمذی، کتاب الادب)

عورت چونکہ طبعاً نازک اور ضعیف القلب ہوتی ہے اس لئے آپؐ ہمیشہ ان کی خاطر داری فرماتے۔ انجشہ نامی ایک حبشی غلام حدی خوان تھے ایک دفعہ ازواج مطہرات ساتھ تھیں۔ انجشہ حدی پڑھتے جاتے تھے اور اونٹ تیز چلنے لگے تو آپؐ نے فرمایا۔ انجشہ دیکھنا آبگینے ٹوٹنے نہ پائیں (بخاری، کتاب الادب)

تنظیم امور

آنحضورؐ نے اپنی بود و باش بہت سادہ رکھی تھی۔ قناعت و توکل کا سہارا تھا اس لئے گھر کے معاملات سیدھے سادھے تھے۔ علامہ شبلی حضورؐ کے گھر کا نقشہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ ’’انسان بذات خود فاقہ کشی کرسکتا ہے۔ سخت سے سخت تکلیفیں اٹھا سکتا ہے۔ زخارف دنیوی کو کلیتہً چھوڑ سکتا ہے۔ لیکن وہ اپنے اعزہ و اقرباء بالخصوص عزیز ترین اولاد کو اس قسم کی سادہ اور مشفقانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور نہیں کرسکتا۔ آپ کی نو بیویاں تھیں جن میں بعض ناز و نعمت میں پلی تھیں اور اکثر معزز گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ آنحضرتؐ کو اعزّ و اولاد اور ازواج مطہرات کے ساتھ سخت محبت تھی۔ آپؐ نے رہبانیت کا بھی قلع قمع کر دیا تھا اور فتوحات کی کثرت مدینہ میں مال و زر کے خزانے لٹا رہی تھی لیکن بایں ہمہ آنحضرتؐ نے اپنی ذات کی طرح ان کو بھی زخارف دنیوی کا خوگر نہیں بنایا بلکہ ہر موقع پر ہر روک ٹوک کی۔ اس کی بنا پر آپؐ کے تمام خاندان کی زندگی آپؐ کے اسوہ حسنہ کا اعلیٰ ترین نمونہ تھیں (سیرۃ النبیؐ حصہ 2) ازواج مطہرات کے ساتھ آپ کو جو محبت تھی اس کا اظہار کبھی دنیادارانہ طریقہ سے نہیں کیا۔ تمام ازواج میں حضرت عائشہؓ سب سے زیادہ محبوب تھیں لیکن یہ محبت رنگین لباسوں اور سنہرے زیوروں کی صورت میں کبھی نہیں ظاہر ہوئی۔ تمام بیویوں کا جو لباس تھا وہی حضرت عائشہ کا تھا چنانچہ وہ فرماتی ہیں: ’’ہم تمام بیویوں کے پاس صرف ایک ایک جوڑا تھا۔‘‘ (ابو داؤد، کتاب الطہارۃ)

نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے نبی کریم سے روایت کیا آپؐ نے خیبر کے یہودیوں سے غلہ اور پھل کی آدھی پیداوار پر معاملہ کیا تو اس میں سے آپ بیویوں کو 100 وسق دیتے تھے 80 وسق کھجور اور بیس وسق جو دیتے تھے۔ (بخاری، کتاب الوکالتہ)

محمد حسین ہیکل نے آپ کی گھریلو زندگی پر بڑا جامع تبصرہ کیا ہے وہ لکھتے ہیں: ’’اپنے اہل کے کام کاج میں ہاتھ بٹاتے۔ اپنی پوشاک خود دھو لیتے، پیوند لگانا ہوتا تو اپنے ہاتھ سے رفو کرتے۔ بکری کا دودھ دوہتے۔ پاپوش سی لیتے۔ اپنے کام اپنے ہاتھ سے کر لیتے۔ اسی طرح اپنی ناقہ خود باندھتے۔ خادم کے ساتھ ایک برتن میں کھالینے میں تکلف نہ تھا۔ اپنے گھر کی ضرورت پر دوسروں کی ضرورت کو ترجیح دیتے۔ اگرچہ خود کتنی ہی تکلیف برداشت کرنا پڑتی۔ گھر میں کسی شے کا اندوختہ نہ رکھتے اور تو اور وفات کے بعد معلوم ہوا کہ سید المرسلینؐ اپنی زرہ بکتر گھریلو ضروریات کے لئے ایک یہودی کے ہاں گروی فرما چکے تھے۔‘‘ (حیات محمد)

شفیق باپ

آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک شفیق باپ کی حیثیت سے نہایت عمدہ اسوہ چھوڑا ہے۔ کسی شخص کو اچھے والد کی حیثیت سے جاننے کے لئے ان تین امور کا جائزہ لینا ضروری ہے۔

1۔ بچوں کی پرورش

2۔ ان سے محبت و شفقت کا سلوک

3۔ عام بچوں کے متعلق رویہ

حضورؐ ان تینوں اعتبار سے مثالی باپ تھے

1۔ بچوں کی پرورش: حضورؐ کی زیادہ دیر رہنے والی صرف لڑکیاں تھیں اور یہ سب بعثت سے پہلے پیدا ہوئیں (ایک روایت کے مطابق حضرت فاطمہ (ایک) نبوی میں پیدا ہوئیں)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ان کے پاس ایک عورت مانگنے کے لئے آئی اس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں تھیں اس نے میرے پاس ایک کھجور کے سوا کچھ نہیں پایا۔ میں نے اسے وہی دے دی۔ اس نے اسے دونوں بیٹیوں میں تقسیم کر دیا پھر کھڑی ہوئی اور باہر چلی گئی۔ اس کے بعد نبی کریمؐ گھر تشریف لائے تو میں نے آپؐ کو بتایا آپؐ بقیہ صفحہ 5 پر

یکم اکتوبر 2020ء	طلوع فجر	غروب آفتاب
مکہ مکرمہ	04:56	18:08
مدینہ منورہ	04:56	18:08
قادیان	05:01	18:13
ربوہ	04:41	17:53
اسلام آباد ٹلفورڈ	05:35	18:40